(۴) ایک معاشرہ میں اگر کسی برائی کا ارتکاب کیا جائے اور وہ اس کی روک تھام نہ کرے بلکہ اس کے منفی تعاون کی وجہ سے وہ برائی جڑ پکڑے، پھلے پھولے اور اپنے مفاسد سے سارے ماحول کو متاثر کر دے تو اللہ کا قانون یہی ہے کہ وہ سارا معاشرہ اس برائی میں حصہ دار قرار پاتا ہے اور اس کا خمیازہ بھگتتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ قانون بھی اجتماعی زندگی سے متعلق ہے، نہ کہ افراد سے!

(۵) حدیث میں یہ بات مختلف طریقوں سے بیان کی گئی ہے کہ ایک مومن صالح جس کی مجموعی زندگی اللہ کی وفاداری پر استوار ہو، جو دانستہ حق سے انحراف کرنے والا اور کسی برائی پر اصرار کرنے والا نہ ہو، اور جو اپنی غلطیوں کا احساس کرتے ہی نادم ہونے اور توبہ کرنے پر مائل ہوتا ہو، اس سے بہ تقاضائے بشریت جو گناہ سرزد ہو جائیں ان میں سے جن کا انکشاف دنیا میں ہو گیا اور قضا و قصاص کی صورت میں معاملہ چک گیا تو چک گیا، لیکن بقیہ لغزشیں جن پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال دیا، ان کا کفارہ وہ تکالیف اور مصیبتیں ہو جائیں گی جو ارضی زندگی میں طبعی طور پر پیش آئی ہیں، بشرطیکہ ایک بندہ ان کا سامنا اللہ کی رضا کے مطابق صبر کے ساتھ کرے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک فضل خاص ہے جو وہ اپنے بندوں کی وفاداری کے صلے میں فرماتا ہے کہ ان کی لغزشوں کی سزا وہ طبعی تکالیف سے مجرا کر دیتا ہے۔ اس سے یہ بات نہیں نکلتی کہ طبعی تکالیف اور مصائب اخلاقی اعمال کے نتائج ہیں۔

ختمِ نبوت کے خلاف قادیانیوں کے دلائل

سوال۔ قادیانی حضرات قرآن کی بعض آیات اور بعض احادیث سے بھی ختم نبوت کے خلاف دلائل فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً وہ سورۂ اعراف کی آیت یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ . . . . کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن کے نزول اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اس آیت کا خطاب امت محمدیہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ یہاں بنی آدم سے مراد یہی امت ہے اور اسی امت کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اگر "کبھی تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں . . ." اس سے

قادیانیوں کے بقول نہ صرف امتی انبیا بلکہ امتی رسولوں کا آنا ثابت ہوتا ہے۔ دوسری آیت سورۂ مومنوں کی ہے جس میں آغاز یٰاَیُّھَا الرُّسُلُ سے ہوتا ہے۔ اس سے بھی ان کے نزدیک رسولوں کی آمد ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح قادیانی حدیث "لوعاش ابراھیم لکان نبیًا (اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے) سے بھی امکانِ نبوت کے حق میں استدلال کرتے ہیں۔ براہِ کرم ان دلائل کی حقیقت واضح فرمائیں۔

جواب:- قادیانیوں کے جو دلائل آپ نے نقل کیے ہیں وہ بھی اُن کے اکثر دلائل کی طرح سراسر گمراہ کن مغالطہ آمیزی پر مبنی ہیں۔ آیت یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (سورۂ اعراف۔ آیت نمبر ۳۵) کو اس کے سیاق وسباق سے الگ کرکے جو نتیجہ نکالا جاتا ہے وہ اس کے برعکس ہے جو سلسلۂ کلام میں اسے رکھ کر دیکھنے سے نکلتا ہے۔ نیز اس مضمون کی جو دوسری آیات قرآن مجید میں ہیں وہ بھی قادیانیوں کی تفسیر سے مختلف ہیں۔ علاوہ بریں قادیانیوں سے پہلے گذشتہ تیرہ سو برس میں کسی نے بھی مذکورۂ بالا آیت کا یہ مطلب نہیں لیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلۂ نبوت جاری رہنے کا ذکر اس میں کیا گیا ہے۔ ذیل میں ان تینوں نکات کی الگ الگ توضیح کی جاتی ہے:-

سورۂ اعراف میں یہ آیت دراصل قصۂ آدم و حوا کے سلسلے میں آئی ہے جو رکوع دوم کے آغاز سے رکوع چہارم کے وسط تک مسلسل بیان ہوا ہے۔ پہلے رکوع دوم میں پورا قصہ بیان کیا گیا ہے، پھر رکوع سوم و چہارم میں ان نتائج پر تبصرہ کیا گیا ہے جو اس قصے سے نکلتے ہیں۔ اس سیاق وسباق میں رکھ کر آیت کو پڑھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ "یا بنی آدم" کے الفاظ سے مخاطب کرکے جو بات کہی گئی ہے اُس کا تعلق آغازِ آفرینش کے وقت سے ہے نہ کہ نزولِ قرآن کے وقت سے۔ بالفاظ دیگر اس کا مطلب یہ ہے کہ آغازِ آفرینش ہی میں اولادِ آدم کو اس بات پر متنبہ کردیا گیا تھا کہ تمہاری نجات اُس ہدایت کی پیروی پر موقوف ہے جو خدا کی طرف سے تم کو بھیجی جائے۔

اس مضمون کی آیات قرآن میں تین مقامات پر آئی ہیں، اور تینوں مقامات پر قصۂ آدم و حوا

کے سلسلے ہی میں اس کو وارد کیا گیا ہے پہلی آیت سورۂ بقرہ میں ہے (آیت نمبر ۳۸) دوسری آیت سورۂ اعراف میں ہے (آیت نمبر ۳۵) - اور تیسری آیت سورۂ طٰہٰ میں (آیت نمبر ۱۲۳) - ان تینوں آیتوں کا مضمون بھی باہم مشابہ ہے اور موقع و محل بھی مشابہ -

مفسرین قرآن بھی دوسری روایتوں کی طرح سورۂ اعراف کی اس آیت کو بھی قصۂ آدم و حوا ہی سے متعلق قرار دیتے ہیں - چنانچہ علامہ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے ضمن میں حضرت ابو سیار السلمی کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے یہاں حضرت آدم اور ان کی ذریت کو یکجا اور ایک ہی وقت میں خطاب کیا ہے" امام رازی اپنی تفسیر کبیر میں اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ "اگر یہ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو حالانکہ وہ خاتم الانبیاء ہیں، تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ اللہ تعالیٰ یہاں امتوں کے بارے میں اپنی سنت بیان فرما رہا ہے" علامہ آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ "یہاں ہر قوم کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا ہے اسے حکایتہً بیان کیا جا رہا ہے یہاں بنی آدم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مراد لینا مستبعد اور ظاہر کے خلاف ہے کیونکہ یہاں جمع کا لفظ "رُسل" استعمال ہوا ہے" (علامہ آلوسیؒ کے ارشاد کے آخری حصے کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہاں خطاب امت محمدیہ سے ہو تو پھر اس امت کو یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ "اگر کبھی تم میں رُسل آئیں"، کیونکہ اس امت میں ایک سے زائد رسولوں کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا)

آیت يَآ أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ (سورۂ مومنون - آیت نمبر ۵۱-۵۲) کو بھی اگر اس کے سیاق و سباق سے الگ نہ کیا جائے تو اس سے وہ مطلب نہیں نکالا جا سکتا جو قادیانی حضرات نے نکالا ہے - یہ آیت جس سلسلۂ کلام میں وارد ہوئی ہے وہ رکوع دوم سے مسلسل چلا آ رہا ہے - اس میں حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت عیسیٰ ابن مریم تک مختلف زمانوں کے انبیاء اور ان کی قوموں کا ذکر کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ ہر جگہ اور ہر زمانے میں انبیاء علیہم السلام ایک ہی تعلیم دیتے رہے ہیں، ایک ہی ان سب کا طریقہ رہا ہے اور ایک ہی طرح سے ان سب پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوتا رہا ہے - اس کے برعکس گمراہ قومیں ہمیشہ خدا کے راستے کو چھوڑ کر غلط کاری

میں مبتلا ہوتی رہی ہیں۔ اس سلسلۂ بیان میں یہ آیت اس معنی میں نہیں آئی ہے کہ "اے رسولو، جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والے ہو، پاک رزق کھاؤ اور نیک عمل کرو" بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان تمام رسولوں کو، جو نوح علیہ السلام کے وقت سے اب تک آتے رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے یہی ہدایت فرمائی تھی کہ "پاک رزق کھاؤ، اور نیک عمل کرو"۔

اس آیت سے بھی مفسرین قرآن نے کبھی یہ مطلب نہیں لیا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انبیاء کی آمد کا دروازہ کھولتی ہے۔ اگر کوئی مزید تحقیق و اطمینان کرنا چاہے تو مختلف تفسیروں میں اس مقام کو دیکھ سکتا ہے۔

حدیث لو عاش ابراہیم لکان نبیاً سے قادیانی حضرات جو استدلال کرتے ہیں وہ چار وجوہ سے غلط ہے:۔

اوّل یہ کہ جس روایت میں اسے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے اس کی سند ضعیف ہے اور محدثین میں سے کسی نے بھی اس کو قوی تسلیم نہیں کیا ہے۔

دوم یہ کہ نووی اور ابن عبدالبر جیسے اکابر محدثین اِس مضمون کو بالکل ناقابلِ اعتبار قرار دیتے ہیں۔ امام نووی اپنی کتاب تہذیب الاسماء واللغات میں لکھتے ہیں:۔

اما ما روی عن بعض المتقدمین لو عاش ابراھیم لکان نبیاً فباطل وجسارۃ علی الکلام المغیبات ومجازفۃ وھجوم علی عظیم۔	رہی وہ بات جو بعض متقدمین سے منقول ہے کہ "اگر ابراہیم زندہ ہوتے تو نبی ہوتے" تو وہ باطل ہے اور غیب کی باتوں پر کلام کرنے کی بے جا جسارت ہے اور بے سوچے سمجھے ایک بڑی بات منہ سے نکال دینا ہے۔

اور ابن عبدالبر "تمہید" میں لکھتے ہیں:۔

لا ادری ما ھذا فقد ولد نوح علیہ السلام غیر نبی ولو لم یلد النبی الا نبیا لکان کل احد نبیا لانھم من نوح علیہ السلام۔	میں نہیں جانتا کہ یہ کیا مضمون ہے۔ نوح علیہ السلام کے ہاں غیر نبی اولاد ہو چکی ہے، حالانکہ اگر نبی کا بیٹا نبی ہی ہونا ضروری ہوتا تو آج سب نبی ہوتے کیونکہ

سب کے سب نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں۔

سوم یہ کہ اکثر روایات میں اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے بعض صحابیوں کے قول کی حیثیت سے نقل کیا گیا ہے اور وہ اس کے ساتھ یہ تصریح بھی کر دیتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چونکہ کوئی نبی نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے صاحبزادے کو اٹھا لیا۔ مثال کے طور پر بخاری کی روایت یہ ہے :-

عن اسماعیل بن ابی خالد قال قلت لعبد اللہ بن ابی اوفیٰ رأیت ابراہیم بن النبی صلی اللہ علیہ وسلم؟ قال مات صغیرا ولو قضی ان یکون بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی عاش ابنہ ولکن لا نبی بعدہٗ (بخاری۔ کتاب الادب۔ باب من سمی باسماء الانبیاء)	اسماعیل بن ابی خالد کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن ابی اوفیٰ (صحابی) سے پوچھا کہ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا وہ بچپن ہی میں مر گئے اگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہوتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہو تو آپ کا صاحبزادہ زندہ رہتا، مگر حضور کے بعد کوئی اور نبی نہیں ہے۔

اسی سے ملتی جلتی روایت حضرت انس سے بھی منقول ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :-

ولو بقی لکان نبیا لکن لم یبق لان نبیکم آخر الانبیاء (تفسیر روح المعانی۔ جلد ۲۲ صفحہ ۳۰)	اگر وہ زندہ رہ جاتے تو نبی ہوتے، مگر وہ زندہ نہ رہے کیونکہ تمہارے نبی آخری نبی ہیں۔

چہارم یہ کہ اگر بالفرض صحابۂ کرام کی یہ تصریحات بھی نہ ہوتیں، اور محدثین کے وہ اقوال بھی موجود نہ ہوتے جن میں اس روایت کو جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی حیثیت سے منقول ہوئی ہے ضعیف اور ناقابلِ اعتبار قرار دیا گیا ہے، تب بھی وہ کسی طرح قابلِ قبول نہ ہوتی۔ کیونکہ یہ بات علمِ حدیث کے مسلّمہ اصولوں میں سے ہے کہ اگر کسی ایک روایت سے کوئی ایسا مضمون نکلتا ہو جو بکثرت صحیح احادیث کے خلاف پڑتا ہو تو اسے قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اب ایک طرف وہ کثیر التعداد صحیح اور قوی السند احادیث ہیں جن میں صاف صاف تصریح کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور دوسری طرف یہ اکیلی روایت ہے جو بابِ نبوت کے کھلے ہونے کا امکان ظاہر کرتی ہے۔